

## کانوں کی افادیت اور ان کا درست و بر محل استعمال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی تلاوت کے ضمن میں حکماً فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف: 205)

کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تھنوں سے پاک ہونا کبھی کیا مجال ہے  
سچ جانو یہ طریق سراسر محال ہے  
تھنوں سے کب نجات ملے ہے گناہ سے  
ممکن نہیں وصالِ خدا ایسی راہ سے

قرآنی آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا كَذِبًا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کے تحت انسان کے تمام اعضاء انسان کے اپنے لئے اور مخلوق خدا کے لئے مفید ہیں اور ان کے غلط اور غیر محل استعمال پر وہ پوچھے جائیں گے۔ ان اعضاء میں سے ایک عضو ”کان“ ہے۔ جو انسانی تخلیق میں سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون آیت 79 میں فرمایا ہے: هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ۔ ترجمہ یہ ہے کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے اور بچے کی پیدائش کے معاً بعد ”کان“ میں اذان اور اقامت کہنے کا حکم ہے اور گڑتی کے لئے زبان کا استعمال بعد میں آتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”ارتقائی منازل میں سب سے پہلے قوتِ شنوائی عطا ہوئی تھی اور اس کے بعد بصارت اور پھر وہ دل انسان کو عطا کئے گئے جو گہری بصیرت رکھتے ہیں“

(تعارف سورۃ المؤمنون صفحہ 578)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور احادیث میں بھی بعض جگہوں پر قوتِ سماعت و شنوائی کو قوتِ بینائی پر فوقیت دی ہے۔ احادیث میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اللہ تعالیٰ کی 99 صفات کا ذکر فرمایا ہے وہاں بھی صفت السمع، صفت البصیر سے پہلے بیان ہوئی ہے۔

(ترمذی کتاب الدعوات باب جامع الدعوات)

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بتوں کا ذکر فرمایا وہاں بھی ان کے بارے میں لکھا کہ

لَا يَسْمَعُ وَلَا يَبْصُرُ (مریم: 43)

کہ وہ بت سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔

اسی طرح سورۃ مریم میں بھی جہاں یوم حساب سے انکار کرنے والوں کا ذکر ہے وہاں اَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ کے الفاظ درج ہیں کہ اس دن ان کی قوتِ شنوائی بہت تیز ہوگی اور نظریں بھی بہت تیز ہوں گی۔ (مریم: 39)۔ نیز اللہ تعالیٰ مومنوں کی اطاعت کے سلسلہ میں سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کا حکم سُن لیا ہے اور ہم اس کے دل سے فرمانبردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان دونوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

تَمُذْرُونَہُمْ۔ یَقِينًا مِّنْ تَمُذْرُونَہُمْ کے ساتھ ہوں۔ اَسْمِعْ وَأَزَيٰ کہ میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ (سورۃ ظل: 47)

سامعین! کانوں کی دوسرے اعضاء بالخصوص آنکھوں اور زبان پر فوقیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ احادیث کا مطالعہ کریں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وعظ ملتا ہے جو آپ نے فجر کی نماز کے بعد صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ جسے صحابہ نے سن کر فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ تو الوداعی وعظ لگتا ہے۔ جس کا آغاز ان الفاظ سے تھا کہ

أُذِيبُكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّعَةِ وَالْإِطَاعَةِ

(ترمذی کتاب العلم)

کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا تھا۔ میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔

1- جماعت کے ساتھ رہو۔

2- امام وقت کی باتیں سنو۔

3- اس کی اطاعت کرو۔

4- دین کی خاطر وطن چھوڑنا پڑے تو وطن چھوڑ دو۔

5- اور اللہ کے رستہ میں جہاد کرو۔

(حدیقۃ الصالحین از ملک سیف الرحمن صفحہ 226)

آنحضورؐ کا کسی کی بات کو غور اور تحمل سے سننا

امام طبرانی نے صحیح سند سے عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے ادنیٰ ترین آدمی کی طرف بھی بھرپور متوجہ رہتے اور اس سے بات کرتے تاکہ اس کی تالیفِ قلب ہو اور وہ میری طرف اس طرح متوجہ ہوتے، حتیٰ کہ میں نے گمان کیا میں ہی قوم کا بہترین آدمی ہوں۔ ہجرت سے تین سال قبل حج کے موقع پر حسب معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حاجیوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ سوید بن صامت آپ کی تقریر سن کر بولا: آپ جو باتیں پیش کر رہے ہیں ایسی ہی ایک چیز میرے پاس بھی ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: مجلہ لقمان۔ پھر آپ کی فرمائش پر اُس نے اس مجلے کا کچھ حصہ آپ کو سنایا۔ آپ نے فرمایا: یہ بہت اچھا کلام ہے مگر میرے پاس ایک اور کلام اس سے بھی بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُسے قرآن سنایا اور اُس نے اعتراف کیا کہ یہ مجلہ لقمان سے بلاشبہ بہتر ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام۔ تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت النبیؐ، جلد 4، صفحہ 13)

یہاں دیکھیں کہ آنحضورؐ نے دوسرے کی بات کی نفی نہیں کی، بلکہ اس کی بات سنی اور پھر اپنی بات سنائی۔

اپنے کسی ساتھی یا کسی بھی دوسرے کی بات کو اچھی طرح سننا، اختلاف کی شدت کو کم کر دیتا ہے۔ مشہور قول ہے کہ عالم کے پاس بیٹھو تو خاموشی اختیار کرو اور جاہل کے پاس بیٹھو تو بھی خاموشی اختیار کرو۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ عالم کی بات سن کر علم میں اضافہ ہو گا اور جاہل کے ساتھ خاموش رہنے سے بُر دباری اور حلم میں اضافہ ہو گا۔ کسی کی بات کو سمجھنے کے لیے غور سے سننا چاہیے یہ سوچ کر نہیں سننا کہ اُس کی بات میں کہاں غلطی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری و باطنی بیماریوں سے بچنے کے لئے جو دعائیں سکھائی ہیں اس کے بھی الفاظ ہیں۔

أَعُوذُ بِكَ مِنَ الصَّمِّ وَالنَّبْكِ

(مستدرک حاکم کتاب الدعاء جلد 1 صفحہ 531)

کہ میں بہرے اور گونگے پن سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

الغرض اطاعت کا کانوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ وعظ و نصیحت اور خطبات و دروس وغیرہ کانوں سے سُنے جاتے ہیں اور پھر ان نیک باتوں کو عملی شکل پہنائی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا حدیث میں بہت وضاحت کے ساتھ امام وقت کی باتیں سُن کر عملی جامہ پہنانے کی تلقین ہے۔ خلیفہ وقت کے خطبات، خطابات اور دوسرے پروگرامز باقاعدگی اور پوری مستعدی سے سُن کر ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

حضور پر نور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر فرمایا کہ

میرے خطبات، تقاریر خاص طور پر لجنہ کی تقاریر غور سے سنیں، خدام سے بھی بیان کرتا ہوں، انصار کو بھی خطبات میں ذکر کرتا رہتا ہوں۔ دراصل صبر و حوصلہ کم ہو گیا ہے۔ لڑکے کی بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور لڑکی کی بھی۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کرتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو یاد نہیں رکھتے کہ جب رشتے کرو تو دین کو دنیا پر ترجیح دیا کرو۔ مادیت کا اثر ہمارے معاشرے میں بھی ہو رہا ہے۔ اس لئے جماعتی نظام اور ذیلی تنظیموں کو تربیت کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

غالباً 1992ء یا 1993ء کی بات ہے کہ خاکسار نے قادیان میں جلسہ سالانہ کے دنوں میں ایک انڈین اردو اخبار میں مختصر سا آرٹیکل بعنوان ”دوکان“ پڑھا تھا۔ جس میں مضمون نگار نے لکھا تھا کہ انسان کو دوکان اور ایک زبان ملی ہے مگر وہ اپنے دوکانوں سے بات سنتا کم ہے اور زبان کے ذریعہ باتوں کو آگے زیادہ پہنچاتا ہے۔ اسلام نے بھی افواہ سازی کے حوالہ سے یہی تعلیم دی ہے کہ انسان دوکانوں سے بات سنتا اور بغیر تحقیق کے فوراً آگے پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْبُعَايِنَةِ۔ کہ سنی سنائی خبر دیکھی ہوئی بات کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ایسے لوگوں کو کانوں کا کچا کہا جاتا ہے۔ الہی جماعتوں کی قانون خداوندی کے مطابق مخالفت بھی ہوتی ہے۔ گالیاں بھی سننے کو ملتی ہیں، جو صبر کے ساتھ سن کر دشمنوں کے حق میں دُعا کر دی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

گالیاں سن کر دعا دو پا کے ڈکھ آرام دو  
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان ایک دی ہے اور سننے کے لئے کان دو دیے ہیں۔ اس لئے اچھا سامع ہونا اور کسی کی بات کو حوصلے سے سننا انسان کی ایک بہت بڑی صفت ہے اور ہونی بھی چاہئے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے 31 دسمبر 2004ء کو بیت السلام فرانس میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے نظام جماعت، نظام خلافت کی اہمیت و افادیت اور برکات کا ذکر کرتے ہوئے عہدیداران جماعت کی ذمہ داریاں بھی بیان فرمائیں اور احباب جماعت کے ساتھ پیار اور محبت سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ”اپنے خلاف بھی اگر شکایت ہو تو سننے کا حوصلہ ہونا چاہئے“

(الفضل 4 جنوری 2005ء)

اگر انسان کی سماعت ان معنوں میں اچھی ہو کہ وہ دوسرے کی بات مکمل طور پر سننے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ وسیع القلب ہو تو وہ ایک اچھا منتظم بھی ہے۔ اگر مرد ہے تو اچھا خاوند، اچھا باپ، اچھا سسر، اچھا بھائی اور اچھا بیٹا ہے اور اگر عورت ہے تو اچھی بیوی، اچھی ماں، اچھی ساس، اچھی بہن اور اچھی بیٹی بھی ہے۔ کیونکہ حوصلے سے کسی کی بات سننا انسان کی ایک بہت بڑی صفت ہے، ایک وصف ہے، ایک خوبی ہے۔ جو انسان کے بڑے پن کا اظہار کرتی ہے۔ بعض انسان اتنے شہر دے اور کم حوصلے کے واقع ہوئے ہیں کہ کسی کی بات دھیان سے سننا تو درکنار اپنی بات تو پوری کہہ دیتے ہیں اور جب سننے کی باری آتی ہے تو مخاطب کو اپنی بات پوری بھی نہیں کرنے دیتے۔ فوراً رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے بچے میں بات ٹوک دیتے ہیں۔ اگر ٹوکتے نہیں تو اتنے بے چین ہوتے ہیں کہ ان کے چہرے کے اثرات یا برتاؤ سے اندازہ ہو رہا ہوتا ہے کہ ان کو مخاطب کی بات ناگوار گزر رہی ہے اور یہ کچھ کہنے کو بے چین ہیں۔ ایسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے کے لئے زبان ایک دی ہے اور سننے کے لئے کان دو۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ انسان بولتا زیادہ ہے اور سنتا کم ہے۔ اسی لئے روزمرہ کے ماحول میں ایک دوسرے کو یہ کہتے ہوئے ہم عام سنائی دیتا ہے کہ یہ سنتا ہی نہیں، بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک دفعہ نہیں لاکھ دفعہ کہا ہے مگر یہ سنتے ہی نہیں۔

سنپیشن ایک آرٹ ہے۔ اس کے ماہر کہتے ہیں کہ اچھا سامع ہونا کامیاب مقرر اور منتظم کی پہلی ضرورت اور شرط ہے۔ روزانہ دنیا بھر کے مختلف دفاتر میں سینکڑوں ہزاروں مسائل اپنی مشکلات اور مسائل کے حل کے لئے جاتے ہیں۔ اگر ان کی بات توجہ سے، حوصلہ مند طریقے سے سن لی جائے تو ان کو حوصلہ ملتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کی ادھی شکایت ہی دور ہو گئی ہے۔ ہم اس تجربہ کو روزمرہ کی زندگی میں ایک اور پہلو سے بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہم بطور مریض کے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں یا کسی مریض کو لے کر معائنہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جائیں تو اگر ڈاکٹر ہماری بیماری کو دھیان اور غور سے سن لے تو یوں لگتا ہے جیسے ادھی بیماری ہماری بات ڈاکٹر صاحب کے بغور سننے سے دور ہو گئی۔

سماعت کی گویائی پر اس قدر فوقیت اور اس کی اہمیت کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ روزمرہ ماحول اور زیادہ تر توجہ گویائی کی طرف دی جاتی ہے۔ زندگی کے آداب پر مشتمل کتب دیکھ لیں تو گفتگو کے آداب تو ہر کتاب میں ملتے ہیں مگر سماعت کے آداب موجود نہیں۔ اخبارات میں مضامین یا آرٹیکلز کے حوالہ سے نگاہ ڈالیں تو یہی مضمون ملتا ہے کہ گفتگو کیسے کی جائے۔ معاشرے میں مذہبی رہنماؤں اور خطیبوں کی تقاریر کو لے لیں تو ان کا بھی زیادہ تر رجحان اسی طرف دکھائی دیتا ہے کہ پبلک کو بتلایا جائے کہ آپ

نے گفتگو کرتے وقت کون کون سے پہلو اور آداب مد نظر رکھنے ہیں۔ مگر ایک اچھا سامع ہونے کی جو صفت انسان کی ہے اور ہونی بھی چاہئے اُس کی طرف توجہ بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اور عمل بھی اس کے برعکس ہے۔ آجکل الیکٹرانک میڈیا میں ٹی وی کے مختلف چینلز ناظرین کی دلچسپی کے لئے مختلف طبقہ ہائے فکر کے مذہبی رہنماؤں، سیاسی پارٹیوں کے سرکردہ لیڈروں، مختلف سوسائٹیز سے تعلق رکھنے والی خواتین و حضرات کو بحث و مباحثہ کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے ہیں۔ اور یہ اکثر دیکھنے کو آیا ہے کہ ایک فریق اپنا نقطہ نظر تو فراخ دلی سے بیان کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُس کو سننے کے لئے مقابل فریق کے پاس بھی وافر طور پر وقت موجود ہے اور ناظرین کے پاس بھی۔ مگر جب فریق ثانی کی باری آتی ہے تو پھر فریق ثانی کی بات کو مکمل بھی نہیں کرنے دیتا اور گفتگو کے بیچ میں ہی الجھ پڑتا ہے۔ بڑے لیول پر ملکوں کی سطح پر دیکھیں تو بڑا ملک چھوٹے ملک پر ظلم ڈھانے کے لئے اپنا موقف بیان کیے جا رہا ہوتا ہے اور اسے مد مقابل ممالک پر لاگو کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے اور ان چھوٹے ممالک کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے خواہ وہ درست ہی ہوں کم سنتا ہے اور نظر انداز کر جاتا ہے اور معاشرہ میں بھی سنی ان سنی کرنے کی یا اپنی بات بزور بازو لاگو کرنے کی بڑی تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے۔ مثلاً بعض دفعہ Status میں ذرا کم درجہ کے لوگ جب بڑی محفلوں میں بڑے لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہیں تو اپنی بڑائی اور اپنا بڑا پن ظاہر کرنے کے لئے بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اُس بزرگ یا بڑے کی باتوں کو سننا بھی تو اپنی ذات میں بڑا پن ہے۔ اولیاء اور صوفیاء کی تین خصالتیں جو بیان کی جاتی ہیں ان میں سے ایک کم بولنا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے لوگ ہمیشہ بولتے کم ہیں اور سنتے زیادہ ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں سن کر ہی کسی فیصلہ اور نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔

اسلام میں جو شوری کا نظام ہے وہ بھی ہمیں اس خوبی کو اپنانے کی یاد دہانی کرواتا ہے اور دو آدمی بات کر رہے ہوں تو اجازت کے بغیر دخل اندازی سے منع کرتا ہے۔ عدالتوں پر نگاہ ڈالیں تو اکثر کیسز میں وکلاء اپنے مد مقابل وکیل کو بولنے کا موقع کم ہی دیتے ہیں۔ بسا اوقات بیچ کو بولنے سے حکماً روک کر مد مقابل وکیل کی بات سننے پر مجبور کرنا پڑتا ہے۔ اگر طبیعت کے خلاف بات ہو گئی یا خلاف طبیعت کوئی فون آگیا اور طبیعت پر کوئی بات ناگوار گزری تو فوراً فون بند کر دیتے ہیں خواہ اگلا ابھی بات کر رہی رہا ہو۔

گھروں میں میاں بیوی، ماں بیٹی، باپ بیٹا، بہن بھائی، ساس بہو میں سنی اُن سنی کرنے کا رواج عام ہے۔ بیوی کو یہ شکایت رہتی ہے کہ میاں بات ہی نہیں سنتے۔ میاں، بیوی کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ تو بولتی رہتی ہے سنی اُن سنی کر دیتی ہے کہ یہ تو دقیانوسی لوگ ہیں پرانے زمانوں کی باتیں کرتے ہیں اور ماں باپ بچے کی بات نہیں سنتے کہ ان کو دنیا کی اونچ نیچ کا کیا علم؟ ساس بہو کے جھگڑے میں بھی یہ فیکٹر کار فرما ہے۔ ساس کہتی ہے کہ میں تو تجربہ کار ہوں۔ زندگی کی کئی بہاریں دیکھ چکی ہوں۔ یہ کل کی چھو کری ہے اسے کیا پتہ۔ وہ سنی ان سنی کر جاتی ہے اور بہو کی بات کو وقعت نہیں دیتی۔ بہو، ساس کی بات یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتی ہے کہ یہ تو پرانے زمانے کی باتیں کرتی ہیں اس کو کیا سننا ہے۔ افسر اور ماتحت میں بھی کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ماتحت اکثر افسر کی بات کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ یہ تو بولتا ہی رہتا ہے اس کی کون کون سی باتیں سنیں اور حکومتی عہدیداران، افسران، نمائندگان اور کونسلر حضرات سے ان کے عوام کو یہی شکایت رہتی ہے کہ ہم اپنی ضروریات کا اظہار کرتے ہیں اور یہ لوگ ہماری بات کو سنتے ہی نہیں اور عوام کی شکایت روزانہ ہی میڈیا اور اخبارات کے ذریعہ بغرض اصلاحات ان تک پہنچائی جاتی ہیں۔ مگر وہ کان ہی نہیں دھرتے۔

کسی کی تعریف کرنا تو درکنار بعض لوگ کسی کی تعریف سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والوں کا حوصلہ بہت پست ہوتا ہے، اپنے علاوہ کسی کو درست خیال نہیں کرتے اور ہمیشہ غصہ کا اظہار کر دیتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ پہلو ان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑے بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پاتا ہے اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرتا ہے۔

سامعین! اس ضمن میں ہم جب قرآن کریم کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن کریم میں مومنوں اور متقیوں کی یہ صفت واشگاف الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وہ ہر آن یہ کہتے ہیں سَبِعْنَا وَاطَّعْنَا کہ ہم نے احکامات کو سنا اور ان کی اطاعت کی اور اس مضمون کو دسیوں جگہ بیان فرما کر مومنوں کو بار بار احکامات الہی پر کان دھرنے اور اطاعت کی نصیحت فرمائی گئی اور ساتھ ہی یہ تلقین بھی ملتی ہے کہ

اے مومنو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کہا ہم نے سنا لیکن وہ سنتے نہیں۔ (الانفال: 22)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کی یہ علامت بیان فرمائی وَ هُمْ لَا يَسْمَعُونَ اور آخری روز اپنی اس کمزوری اور خامی کا ذکر کرتے ہوئے حسرت سے وہ کہیں گے:

اگر ہم غور سے سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم آگ میں پڑنے والوں میں شامل نہ ہوتے۔ (الملک: 11)

جبکہ مومنوں کی صفت اور خصوصیت ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی کہ وہ کہتے ہیں۔

اے ہمارے رب! یقیناً ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لے آئے۔  
گویا اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے سماعت کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ اس مضمون کو اس رنگ میں بھی اجاگر کیا جاسکتا ہے کہ دین کا خلاصہ تقویٰ ہے اور تقویٰ کا خلاصہ اطاعت ہے اور اطاعت کا خلاصہ سماعت یعنی احکاماتِ الہی پر کان دھرنا ہے۔ مذہب کی تاریخ میں بھی کانوں کی بہت اہمیت بیان ہوئی ہے جب بنی اسرائیل کو **وَاسْمَعُوا** کی نصیحت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اطاعت نہیں کریں گے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں صفت **السَّمِيعُ** بیان فرما کر ایمان لانے والوں کو توجہ دلائی کہ تمہاری پکار کو میں سنتا بھی ہوں۔

اور جب خدا تعالیٰ سنتا ہے اور لازماً سنتا ہے تو ہمیں بھی احکاماتِ الہی، فرموداتِ رسول پر کان دھرنے ہوں گے اور ہم دینی احکام پر کان دھر کر، ان کی طرف کما حقہ دھیان دے کر اطاعت کے اعلیٰ مقام کو حاصل کر سکتے ہیں اور یوں ہم اخلاقِ حسنہ کو اپنالیں گے اور اخلاقِ سیئہ سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اگر ایسا ہو گا تو ہمارے اندر دوسروں کی بات کو بھی حوصلہ سے سننے اور برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہو گا اور معاشرہ میں حسن نظر آنے لگے گا۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ اخلاقِ حسنہ میں سے زیادہ تر اخلاق کا تعلق اچھا سامع ہونے سے ہے اور اخلاقِ سیئہ میں سے زیادہ تر کا تعلق زبان سے ہے جیسے جھوٹ، کذب گوئی، جھوٹے وعدے کرنا، چغلی خوری، عیب جوئی سخت زبانی، دورِ خی باتیں کرنا، لغو باتیں کرنا، گالی گلوچ کرنا، افشائے راز کرنا، احسان جتنا اور تکبر و غرور وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر ان بدیوں کا تعلق زبان سے معلوم ہوتا ہے مگر یہ بدیاں کان سے جب سنی جاتی ہیں تو پھر انسان بسا اوقات کیا، اکثر اوقات ٹس سے مس نہیں ہوتا اور اصلاحی اقدام نہیں کرتا اور بے شمار لوگ انہی بدیوں کے سننے کی وجہ سے یا ان بدیوں کو جھوٹ سمجھ کر مزید بدیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور سزا پاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مجرم کو جب اس کے سیاہ کارناموں کی وجہ سے عدالت کی طرف سے سزائے موت سنائی گئی تو سزا سے قبل انتظامیہ نے اس سے اس کی آخری خواہش دریافت کی تو اس نے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ماں سے ملاقات اور جب تختہ دار پر جانے سے قبل اس مجرم کی ماں سے ملاقات کروائی گئی تو اس نے ماں کے کان میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور جب ماں نے بیٹے کی بات سننے کے لئے اپنا کان قریب کیا تو اس بد بخت بیٹے نے ماں کے کان کو چبا ڈالا اور کہا کہ میری ان لغو اور بے ہودہ باتوں (جن کی بناء پر آج مجھے تختہ دار پر لٹکایا جا رہا ہے) کی شکایت جب یہ کان سنتے تھے تو ان پر جو تک نہیں رہتی تھی۔ اگر میری ماں نے ان کانوں سے میرے غلط کام اور میری غلط کاریوں کو سن کر میری اصلاح کے لئے قدم اٹھایا ہوتا تو میں آج اس تختہ دار پر نہ ہوتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی برائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومن کی زبان سے دوسرا مومن حفاظت میں ہونا چاہئے۔ گویا روحانی دنیا میں سماعت یعنی دوسرے کی بات سننے کو ایک مقام حاصل ہے۔ روحانی بندے بات کو سنتے اور اُسے دل میں اُتارتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمان کے ستارے اور ولی بن جاتے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ اپنی اسی پیاری اور مبارک عادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے قرار پائے اور رضی اللہ عنہم کا سرٹیفیکیٹ ملا۔ کیونکہ یہی وہ صحابہ تھے جنہوں نے ایک آواز پر گھروں میں پڑے شراب کے مٹکے توڑ دیئے تھے اور انہی میں سے ایک وہ صحابی تھے جنہوں نے جب یہ آواز سنی کہ بیٹھ جاؤ تو وہ مسجد سے باہر ہی بیٹھ گئے اور پرندے کے پھدکنے کی طرح مسجد کی طرف آگے بڑھنے لگے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے اپنے ایک خطبہ فرمودہ 24 نومبر 1989ء میں احبابِ جماعت بالخصوص نوجوان طبقہ کو جن پانچ بنیادی اخلاق کی طرف توجہ دلائی تھی ان میں سے تین کا تعلق میرے اس مضمون سے ہے یعنی 1- سچائی 2- نرم زبان کا استعمال اور 3- وسعت حوصلہ اور حضور نے اس خطبہ میں خدامِ احمدیت کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ مذہبی قوموں کی تعمیر اخلاقی تعلیم کے بغیر ناممکن ہے۔ ان (پانچ اخلاق) پر اگر وہ (ذیلی تنظیمیں) اپنے سارے منصوبوں کی بناء ڈال دیں اور سب سے زیادہ توجہ ان اخلاق کی طرف کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا فائدہ آئندہ سو سال ہی نہیں بلکہ سینکڑوں سال تک بنی نوع انسان کو پہنچتا رہے گا کیونکہ آج کی جماعت احمدیہ اگر ان پانچ اخلاق پر قائم ہو جائے اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے اور ان کی اولادوں کے متعلق بھی یہ یقین ہو جائے کہ یہ بھی آئندہ انہی اخلاق کی نگران اور محافظ بنی رہیں گی اور ان اخلاق کی روشنی دوسروں تک پھیلاتی رہیں گی اور پہنچاتی رہیں گی تو پھر میں یقین رکھتا ہوں کہ ہم امن کی حالت میں اپنی جان دے سکتے ہیں۔ سکون کے ساتھ اپنی جانِ آفریں کے سپرد کر سکتے ہیں اور یقین رکھ سکتے ہیں کہ جو عظیم الشان کام ہمارے سپرد کئے تھے ہم نے جہاں تک ہمیں توفیق ملی ان کو سرانجام دیا۔

پس دینِ اسلام میں کانوں کی اور اُس سے تعلق میں سماعت کی بہت اہمیت ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے معاً بعد اُس کے کانوں میں اللہ اکبر اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت کی جو صدائیں بلند کی جاتی ہیں ان کا ایک مقصد دنیا میں آنے والے اِس نئے وجود کو یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ زندگی میں کامیابی کا ایک گریہ ہے کہ

سنو اور عمل کرو اور پھر کان کا اگر دوسرے اعضائے جسمانی سے تقابلی موازنہ کیا جائے تو یہ ایک ایسا عضو ہے جو اپنی ذات میں بے ضرر ہے جبکہ دوسرے اعضاء جیسے زبان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ خود اپنا دفاع کرنا جانتے ہیں اور حملہ کرنے کی پوزیشن میں بھی ہیں۔ کان کو اپنا دفاع کرنے کے لئے دوسرے اعضاء کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جیسے کان نے اپنے خلاف بات سنی تو دفاع کے لئے زبان کا سہارا لے گا یا ہاتھ اور پاؤں کا اور پھر کان سے نہ سننے کی سزا کاں پکڑوا کر ہی دی جاتی ہے۔ دراصل انہیں یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ کان سننے کے لئے ہیں تم کو یہ سزا اس لئے دی جا رہی ہے کہ تم نے ہماری بات کو سنا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی جہاں مختلف اعضاء کے بنانے کا ذکر فرمایا ہے یا ویسے اعضاء کا ذکر ہوا ہے وہاں کان اور اس کے تعلق میں سماعت کو سب سے پہلے بیان فرما کر مومنوں کو یہ توجہ دلا دی کہ اللہ کے رسول اور بزرگوں کی باتوں کو سننا بہت ضروری ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور سزا کے حوالہ سے فرمایا:

یقیناً کان اور آنکھ اور دل میں سے ہر ایک سے متعلق پوچھا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: 37)

گویا اللہ تعالیٰ بھی استاد کی طرح کان کو پکڑ کر جھنجھوڑے گا اور کہے گا کہ یہ کان تمہیں سننے کے لئے دیئے گئے تھے۔ اس لئے تم ان کانوں کی وجہ سے پکڑے جا رہے ہو۔ سماعت کے اس سارے فعل میں یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ جہاں سن کر فوراً عمل کرنے کا حکم ہے وہاں اول سن کر اور بغور سن کر اور نچ بیچ کو مد نظر رکھ کر حکمت عملی سے عمل کرنے کی ہدایت ہے اور دوم یہ کہ دینی تعلیم کے منافی باتوں پر کان نہ دھرے جائیں۔ ایسی محفلوں میں نہ جایا جائے یا وہاں نہ بیٹھا جائے جہاں دینی تعلیم کے منافی باتیں ہوں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی آیات کا استہزاء ہو رہا ہو اس کے بارہ میں حکم ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کا انکار ہو تا سنو یا ان سے تمسخر ہو تا دیکھو تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھا کرو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں۔ (النساء: 14)

آخر میں یہ بتانا چلوں کہ زبان اور کان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اتنا گہرا تعلق ہے کہ میڈیکل سائنس کی تاریخ میں ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو بچے بہرے ہوتے ہیں وہ گونگے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں ضم بکم کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس میں بھی ضم کے الفاظ کو پہلے لایا گیا ہے۔ مگر زبان کو بھی اہمیت حاصل ہے اس سلسلہ میں بھی احتیاط چاہئے۔ ایک کہادت کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہتے ہیں پہلے تو لو پھر بولو یا پہلے تو لو پھر منہ کھولو یعنی سنو اور اس پر غور و فکر کرو دل میں سوچو۔ اس کے بعد ہی کچھ کہنا ہو تو کہو۔ اس مضمون کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ کہ سنو اور سناؤ یعنی سننے کو سنانے پر زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ جو آج حوصلہ سے اگلے کی بات سنتا ہے۔ آنے والے کل کو لوگ بڑے غور سے اس کی بات سننے کو ترجیح دیتے ہیں اور اگر ہم بھی اس پر عمل شروع کر دیں اور دعوت الی اللہ اور اصلاح و ارشاد میں بھی اس نسخہ کو استعمال میں لائیں کہ دینی باتیں سنیں۔ مساجد میں نیکی کی باتیں سنیں۔ ایم ٹی اے پر اپنے پیارے امام کے خطبات سنیں اور پھر ان تمام نصائح کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق آگے بیان کریں تو یہ معاشرہ آہستہ آہستہ حسین ہوتا چلا جائے گا اور ہم ہی میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کو جنت کی راہ دکھلائی جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”جب انسان اپنے نفس کو کھو دیتا ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات نہیں رہتی اور کسی کو اپنی نظر میں نہیں دیکھتا اور خدا ہی کو دیکھتا اور اس کو ہی سنا تا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کو سنا تا ہے۔ مگر وہ لوگ جن کے باوجودیکہ دوکان ہوتے ہیں مگر وہ حرص، ہوا، غصہ، کینہ وغیرہ ہر قسم کی طاقتوں کی باتیں سنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی بات کیوں کر سن سکتے ہیں ہاں ایک قوم ہوتی ہے جو باقی سب کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور سب طرف سے کانوں کو بند کر لیتے ہیں نہ کسی کی سنتے ہیں نہ کسی کو سنا تے ہیں انہیں ہی خدا بھی اپنی سنا تا ہے اور ان کی سنتا ہے اور وہی مبارک ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 105)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزر: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

